# ابراہیم جلیس کا رپوتاژ دو ملک ایک کہانی کا تجزیاتی مطالعہ

غلام عباس

**Abstract:**

This artical is concerned with a world famous writer "Ibrahim Jalees" reporting "Du Maulk Eik Kahani".This is an important report, written on the subject of "Partition of Hind".The writer wrote this reporting after the "Partition of Hind" and specially in the background of Sakoot-e-Hyderabad.

The freedom and independence of the states was a burning issue after "Partition of Hind".Among these states, Nizaam , the muslim ruler of Hyderabad Dakan decided not to merge either in Pakistan or Hindustan and announced for freedom.After 11th September,1948 Civil war broke out in Hyderabad.It caused the deaths of many people in this report. "Ibrahim Jalees" has also described the circumstances of his life along with the pathetic story of Sakoot-e-Hyderabad.In this report, all the events are based on reality and the facts are described with real characters.

**Key words:**Jalees' cholera city,Du Mulk, Eik Kahani,Reportaj,Partition,Hind.

رپورتاژ فرانسیسی (French) زبان کا ایک لفظ ہے انگریزی میں اس کے لئے لفظ Report استعمال ہوتا ہے۔ اُردو ادب کی بیشتر اصناف کی طرح رپورتاژ نگاری نے مغرب میں جنم لیا، بعد میں اہلِ مشرق نے اسے ترقی دی۔ کسی علمی ،ادبی ،ثقافتی ،معاشرتی یا ہنگامی واقعے کا آنکھوں دیکھا حال عمدہ ادبی اسلوب میں بیان کرنا، رپورتاژ کہلاتا ہے۔

ڈیوڈ گرامبس رپورتاژ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"The reporting of news,factual topical writing that comes

from direct observation or documentable events or

situations. News writing story".(1)

اُردو کے رپورتاژ نگار ابراہیم جلیس نے رپورتاژ کے لئے ایک نیا لفظ رپورتاج ایجاد کیا۔مگر یہ لفظ قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکا ۔اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقمطراز ہیں:

''ابراہیم جلیس نے اس کے لئے لفظ"رپورتاج"استعمال کیالیکن یہ قبول عام حاصل نہ کر سکا۔''(۲)

بیسویں صدی کی ابتدائی پانچ دہائیوں نے نوجوان ادیبوں کو ذہنی اور فکری طور پر بہت متاثر کیا۔۱۹۳۶ء سے۱۹۵۲ء تک کے درمیانی زمانے کو اُردو ادب میں رپورتاژ نگاری کے حوالے سے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔اسی دور میں ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ترقی پسند مصنفین روزگار کے سلسلے میں اخبارات سے وابستہ رہے ۔ان ترقی پسندوں کی اخبارات سے وابستگی رپورتاژ کی

ترویج وترقی کا باعث بنی ۔تقسیم ہند کے تناظر میں رونما ہونے والے ہندومسلم فسادات نے بھی رپورتاژ نگاری کوفروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

"چھٹا دریا"از فکر تونسوی،"جب بندھن ٹوٹے"از تاجور سامری،"اور خدا دیکھ رہا ہے"از جمنا داس اختر،"ایک ہنگامہ از صفیہ اختر ، " قلعہ مضبوط تھا"،از انور عنایت اللہ، " بمبئی سے بھوپال تک" از عصمت چغتائی، دو ملک ایک کہانی از ابراہیم جلیس ،اُردو ادب میں نمایاں رپورتاژ ہیں۔

ابراہیم جلیس کا رپورتاژ دو ملک ایک کہانی تقسیمِ ہند کے موضوع پرلکھا جانے والا ایک اہم رپورتاژ ہے۔ اس رپورتاژ میں آپ بیتی کا رنگ موجود ہے۔مصنف نے یہ رپورتاژتقسیم ہند کے بعد کی صورت حال اور خاص طور پر سقوطِ حیدرآباد کے تناظر میں لکھا۔تقسیمِ ہند کے بعد بیشتر ریاستوں کی خودمختاری اور آزادی ایک اہم مسئلہ تھا ۔انڈیا یونین کی خواہش تھی کہ تمام ریاستیں ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں۔آزادی ہند کے بعد اکثر ریاستیں ،جنھوں نے ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرنا تھا۔ان ریاستوں میں حیدرآباد دکن کے مسلم حکمران "نظام" نے پاکستان اور ہندوستان میں کسی ایک کے ساتھ شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا اور آزادی کا علان کردیا۔نظام حیدرآباد ہندوستان اور پاکستان سے بہتر تعلقات کا خواہاں تھا۔

ریاست حیدرآباد کے عوام اپنے حکمران "نظام" کے وفادار تھے ۔ریاست حیدرآباد کے عوام شاہ عثمان کو اپنا امیر المومنین خیال کرتے تھے اور مشکل وقت میں جان نثار کرنے کو تیار تھے۔سید قاسم رضوی مجلس اتحاد المسلمین کے سربراہ تھے۔ریاست حیدرآباد کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے نظام تاج دار میر عثمان علی نے بھر پور کوششیں کیں۔مسلم مفادات کی محافظ جماعت " مجلس اتحاد المسلمین" بھی فعال رہی۔ابراہیم جلیس ان دنوں ریڈیو حیدرآباد سے وابستہ تھے۔آپ نے مسلمانوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے ریڈیو حیدرآباد سے پر جوش تقریر نشر کی۔۱۱ستمبر

۱۹۴۸ء کے بعد حیدر آباد میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوگئی۔جس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ لقمہء اجل بن گئے۔ابراہیم جلیس نے اس رپورتاژ میں سقوطِ حیدر آباد کی دکھ بھری کہانی کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔اس رپورتاژ میں ابراہیم جلیس کی زندگی کے اہم نقوش بھی ملتے ہیں اور وہاں کا عہد چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔اس رپورتاژ میں حقائق کو اصلی کرداروں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ دو ملک ایک کہانی کو جن عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ان کی ترتیب کچھ یوں ہے ۔ہز مجسٹی یار وفادار،جنوبی پاکستان، پرمٹ گورنمنٹ، زہر کے تاجر،خدا کے مہمان،مسٹر اتحاد المسلمین،سڈنی کاٹن دی اسٹین گن،معاشی ناکہ بندی،چل چلاؤ کا میلہ،شری شعیب اللہ خاں سور گباشی، پولیس ایکشن،ٹیپو کی دوسری موت،فوجی جمہوریت،مسجد اور محل،عصمت کا کیا نام ہے، بھیانک اندھیرے میں، سرخ ستارہ، خوش رہو اہلِ وطن، ارتھ انڈیا سے ایرانڈیا میں، ایک جلوس، پرمٹ، سکینہ زوجہ۔

ابراہیم جلیس رپورتاژ کے پہلے عنوان "ہز مجسٹی یار وفادار" میں آزادی کے بارے میں بتاتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد بظاہر تو آزادی مل گئی،لیکن حقیقت میں انگریز حکومت ہندوستان میں ختم نہ ہوئی۔ اقتدار اگرچہ ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا لیکن اس اقتدار کی حفاظت انگریز کر رہے تھے۔

ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

> '' انگریز تو حیدر آباد میں،کشمیر میں ،جونا گڑھ میں اور پھر دہلی اور کراچی ،کلکتہ اور ڈھاکہ ،لاہور اور بمبئی ،پشاور اور مدراس کے اونچے اونچے محلوں ،بڑی بڑی بلڈنگوں میں چھپ گیا تھا۔ہندوستان اور پاکستان کے برلاؤں، ٹاٹاؤں، ڈالمیاؤں، اصفہانیوں، ممدوٹوں اور دولتانوں نے اسے اپنے اپنے محلوں میں پناہ دی تھی ۔چھپا لیا تھا۔'' (۳)

ابراہیم جلیس نے حضور نظام کی ہوس پرستی اور جنسی شہوت پرستی کا ذکر بھی کیا ہے۔نظام کی کوٹھی میں جو چیزیں مشہور تھیں، ان میں دولت اور ساڑھے تین سو عورتیں جو کبھی اس کی رعایا کی بہو بیٹیاں تھیں۔ابراہیم جلیس کو حضور نظام سے بہت نفرت تھی،مگر وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور تھے کیونکہ وہ اس کی سلطنت میں رہتے تھے۔رپورتاژ کا عنوان "جنوبی پاکستان" پڑھنے سے یہ رپورتاژ ذہنی سفر کی داستان معلوم ہوتی ہے۔حضور نظام ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کے خواہاں تھے،لیکن اس کے عوام ذہنی طور پر حیدر آباد کو تقسیم کر چکے تھے ۔حیدر آباد کے مسلم عوام اپنی ریاست کو جنوبی پاکستان سمجھ رہے تھے ،جبکہ ہندو اور غیر مسلم حیدر آباد کا الحاق ہندوستان کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔

ابراہیم جلیس نے رپورتاژ کے عنوان "پرمٹ گورنمنٹ" میں عوامی حکومت کا ذکر کیا ہے ۔ریاست حیدر آباد کے عوام نے نواب چھتاری کو وزیر اعظم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے اشارے پر میر لائق علی کو وزیر اعظم بنایا گیا۔اس کی کابینہ میں ہندوؤں

،مسلمانوں ،سرمایہ داروں اور جا گیرداروں سب کو نمائندگی دی گئی ۔اس کابینہ میں شامل وزراء نااہل تھے، جو عوام کے مفادات پر توجہ دینے کی بجائے ذاتی مفادات پر توجہ دے رہے تھے۔عوامی حکومت کے وزراء کا مقصد رشوتیں وصول کرنا تھا۔وزارتوں کا حصول مجلس اتحاد المسلمین کی سفارش کے بغیر ناممکن تھا حالانکہ مجلس اتحاد المسلمین ایک فلاحی تنظیم تھی،لیکن اب یہ صرف حرص و ہوس کی ایک جماعت بن کر رہ گئی تھی۔

ابراہیم جلیس نے رپورتاژ کے عنوان"زہر کے تاجر"میں انگریزی سامراج پر تنقید کی ہے ۔رپورتاژ کے اس حصے میں وطن دوستی کے ساتھ ساتھ عورت کی بے بسی اور مجبوری کا ذکر بھی ہے۔تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان اور ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے ،تو مسلم اخبارات رہبر دکن،نظام گزٹ اور میزان نے حیدرآبادی مسلمانوں کو جوش دلایا۔مصنف نے فرقہ پرستی کی بنیاد پر ان اخبارات کے ایڈیٹرز کو "زہر کے تاجر" کہا ہے،جنھوں نے فرقہ پرستی کی آڑ میں اخبارات بیچ بیچ کر لاکھوں روپے کمائے ۔ایک واقعہ نے ابراہیم جلیس جیسے سوشلسٹ انسان کے نظریات بدل دیئے اور آپ نے اتحاد المسلمین سے وابستگی اختیار کر لی۔

ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

> ’’میں نے یہ سنا کہ میری علی گڑھ کی تشنہ کام محبت بلقیس جہاں کو ماؤنٹ بیٹن پلان نے دہلی سے بھگا کر کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر کے چوک کے بیچوں بیچ مادر زاد ننگا کر دیا ہے ۔۔۔۔تو میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔میں یک بیک مسلمان ہو گیا ۔غیور مسلمان ،غازی مسلمان، مجاہد مسلمان۔۔۔۔محمد عربی کا مسلمان نہیں بلکہ محمود غزنوی اور طارق کا مسلمان ،اسلامی تعلیمات کا پیرو مسلمان نہیں بلکہ منشی صادق حسین اور عبدالحلیم شرر کی ناولوں کا مسلمان۔‘‘(۴)

یہ رپورتاژ ظلم و بربریت کی داستان ہے۔تقسیمِ ہند کے بعد ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے، جس کے نتیجے میں ہندوستان سے مسلم مہاجرین کی وسیع تعداد حیدرآباد آنے لگی ۔مصنف نے ان مسلم مہاجرین کو "خدا کے مہمان" کہا ہے۔مسلم مہاجرین جب حیدرآباد پہنچے تو حکومت حیدرآباد نے ان کے لیے کیمپ قائم کیے۔کالجوں کے طلبہ،مسلمان رضا کاروں اور حیدرآبادی مسلم عوام نے مہاجرین کی خدمت گزاری کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔

ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

> ’’حیدرآبادی باشندوں نے خدا کے ان مہمانوں کے ہر ممکن خاطر داری کی ۔بڑی ایثار و قربانیاں کیں ۔آدھے پیٹ خود کھایا انھیں کھلایا ۔اپنے گھروں سے قمیص، پاجامے، چادر، تکیئے، کمبل، روپے، روٹیاں سب کچھ دیا۔لیکن انسان میں اتنی کہاں مجال کہ خدا کے مہمانوں کی میزبانی کر سکے۔‘‘(۵)

ابراہیم جلیس نے رپورتاژ کے عنوان’’مسٹر اتحاد المسلمین‘‘ میں سیاسی صورحال کا ذکر کیا ہے۔حیدرآباد

کے مسلم عوام خوش تھے کہ دس لاکھ مسلم مہاجرین کی آمد سے جنوبی پاکستان کی تشکیل آسان ہے۔مصنف نے مجاہدِ اعظم قاسم رضوی کے جذباتی بیانات کا ذکر بھی کیا ہے۔مجلس اتحاد المسلمین کے سربراہ قاسم رضوی نے ہندوستانی یونین کے رہنماؤں کو خبردار کیا کہ اگر جنگ کی صورت پیدا ہوئی تو ہندوستان کا امن خطرے میں ہوگا۔

ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

''مجاہدِ اعظم نے ان مہاجرین کے آنے کے بعد سے اپنی ہر تقریر میں ریاست کے مسلمانوں کی کل تعداد میں تصحیح کر لی تھی اب اپنی تقریروں میں وہ ۲۵ لاکھ کے بجائے ۳۵ لاکھ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعوی کرتے تھے۔۔۔۔انھوں نے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو الٹی میٹم دے دیا کہ اگر ہندوستان حیدرآباد کی آزادی اور خودمختاری چھیننا چاہے گا تو پھر اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ ہم لال قلعے پر اپنا جھنڈا لہرائیں گے۔''(۶)

رپورتاژ کے عنوان "سڈنی کاٹن دی اسٹین گن" میں جذباتیت کا کھلم کھلا اظہار پایا جاتا ہے۔سڈنی کاٹن ایک خفیہ پائلٹ ہے، جو حیدرآباد کی آزادی کا شیدائی ہے۔سڈنی کاٹن روزانہ اپنے جہاز میں حیدرآباد آتا اور حیدر آبادی افواج کو اسلحہ دے جاتا۔ہندوستانی فضائیہ کے جہاز سڈنی کاٹن کا تعاقب کرتے رہے،مگر اس کو گرفتار کرنے کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔رپورتاژ کے عنوان "معاشی ناکہ بندی" میں حیدرآباد کے معاشی بائیکاٹ کا ذکر ہے۔حیدرآباد میں جب نظام تاج دار میر عثمان علی اور مجلس اتحاد المسلمین کی سرگرمیاں تیز ہوئیں،تو ہندوستان سے تمام چیزیں آنا بند ہوگئیں۔میڈیکل سٹوروں پر ادویات ،اشیا خورد ونوش اور معمولی استعمال کی چیزیں بھی ناپید ہوکر رہ گئیں۔معاشی ناکہ بندی کی وجہ سے حیدرآباد میں ہیضہ اور دیگر بیماریاں پھوٹ پڑیں۔مصنف حیدرآباد کو " کالر اسٹی" قرار دیتا ہے۔اس وبائی بیماری کی وجہ سے غریب عوام تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔گویا یہ موت کا کھیل غریبوں کے لیے ایک چل چلاؤ کا میلہ تھا۔

ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

''اس میلے میں اونچے طبقے اور متوسط طبقے کا ایک آدمی بھی ہمیں نظر نہیں آیا سب غریب ،مفلس اور تہی دست مسلمان تھے جو مرنے کے لیے پیدا ہوئے تھے اور مرتے چلے جارہے تھے۔''(۷)

ابراہیم جلیس نے ایک ضمیر فروش اور مفاد پرست ایڈیٹر شعیب اللہ خاں کا ذکر کیا ہے۔شعیب اللہ خاں کی زندگی کا مقصد صرف روپیہ کمانا تھا، اسے مسلمانوں اور ہندوؤں سے کوئی عقیدت نہ تھی۔حیدرآباد کی یورش میں شعیب اللہ خاں دوہرے کردار کی وجہ سے قتل ہوگیا۔شعیب اللہ خاں کے قتل ہوتے ہی حیدرآباد میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے۔ہندومسلم فسادات کی وجہ سے دو نئے مذہب وجود میں آگئے ۔مصنف نے امیری کو ایک

مذہب اور غریبی کو دوسرے مذہب کا نام دیا ہے۔امراء اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے جبکہ غریبوں کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا تھا۔

ابراہیم جلیس نے رپورتاژ کے عنوان "جاگیر داراور سرمایہ دار کی سرگوشی" میں سقوطِ حیدر آباد کا ذمہ دار نظام حیدر آباد میر عثمان علی کو ٹھہرایا ہے ۔مصنف نظام حیدر آباد کی دولت پرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضور نظام نے جب دیکھا کہ ریاست کی حالت بہت ابتر ہوگئی ہے ۔قاسم رضوی ڈکٹیٹر ہوگیا ہے اور حضور نظام خود بے دست وپا ہو کر رہ گیا ہے۔اسے ڈر ہو گیا کہ اب قاسم رضوی اسے قتل کرادے گا۔اس کی بے شمار و بےاندازہ دولت اس کے قبضے سے نکل جائے گی تو اس نے ایک رات خفیہ طریقے پر ہندوستان کے ایجنٹ جنرل متعینہ حیدر آباد مسٹر کے ۔ایم منشی کو اپنے محل میں بلوایا۔اور اس کے سامنے صاف صاف اعتراف کرلیا کہ کچھ کرو مجھے اور میری دولت کو بچاؤ۔''(۸)

میر عثمان علی کی تنگ نظری عیاں ہوجاتی ہے۔ ۱۱رستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کا اعلان ہوتے ہی حیدر آباد میں افواج اور عوام میں جنگ شروع ہوجاتی ہے۔بالآخر حیدر آباد پر انڈیا یونین کا اقتدار قائم ہوجاتا ہے۔رپورتاژ کے عنوان ''فوجی جمہوریت'' میں تڑپتی انسانیت کا ذکر ہے۔ہندو مسلم فسادات میں کئی گلشن ویران ہوئے ،ہزاروں افراد لقمہء اجل بن گئے اور کچھ نے اپنی نوجوان بیٹیوں کو زہر آب پلا دیا۔

ابراہیم جلیس رپورتاژ کے اس دلدوز منظر کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''بیٹی!ابھی تھوڑی دیر میں ہندوستانی فوجیں شہر میں داخل ہوجائیں گی اس کے بعد اس کے بعد ۔۔۔۔اس کا گلا بری طرح رندھ گیا اورلڑکی محبت کے ماضی کے محل کے سارے پُرفسوں کمرے جھانکتی اور پھر اپنے باپ کے سامنے سر جھکائے آنسوؤں کے افق سے پرے "زہر آب" کو تکنے لگی۔وہ کچھ دیر تک آپ ہی آپ کچھ باتیں کرتی رہی ۔صرف اس کے ہونٹ ہلتے رہے ۔پھر اس کے بعد اس نے اپنے سر پر سفید جگمگاتے تاروں والا سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر اللہ کا نام لے کر وہ سبز پانی والا کانچ کا گلاس پی لیا۔اور حمید خاں غم وخوشی کی وادی میں پکارا ٹھا شاباش بیٹی ___ شاباش۔''(۹)

حیدر آباد کی آزادی کا آخری سورج چالیس ہزار مسلمان لاشیں کھلے آسمان تلے چھوڑ کر غروب ہوجاتا ہے۔ان فسادات میں مساجد کا تقدس پامال ہوتا ہے،البتہ محل بچ جاتے ہیں۔مجلس اتحاد المسلمین کے سربراہ قاسم رضوی گرفتار ہوجاتے ہیں۔رپورتاژ کے عنوان "بھیانک اندھیرے میں" جلیس ذہنی اذیت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اخبار "پیام" میں جلیس کی گرفتاری کے بارے خبر شائع ہوتی ہے ،تو انہیں زندگی میں ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ جب ابراہیم جلیس کی گرفتاری کے لیے کوششیں تیز ہوتی ہیں،تو انہیں ہر طرف سے موت نظر آنے لگتی ہے۔

ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

''میں بھیانک اندھیرے میں ملفوف تھا۔کچھ دکھائی نہ دیتا تھا کہ کدھر جاؤں کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں ۔۔۔۔جو بھی مجھ سے ملنے آتا میری آنکھوں کے سامنے میری موت یا جیل خانہ تعمیر کر کے چلا جاتا اور میں بھی اندھیرے میں جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔کہ موت کس طرف سے آنے والی ہے۔''(۱۰)

رپورتاژ کے عنوان "سرخ ستارہ" میں جلیس کے ایک ترقی پسند دوست راج کپور کو مصنف پر طنز کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔راج کپور جلیس کو احساسِ پشیمانی میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ وہ رضا کار تحریک سے وابستہ رہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو شہید ہونے کے لئے اکساتے رہے۔ بعد میں مصنف نے اس عمل پر افسوس کا اظہار کیا۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''ندامت سے میرا سر جھکا ہوا تھا۔اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ٹیپو کا قاتل ہوں۔ اسلام کا قاتل ہوں۔ انسانیت کا قاتل ہوں، اپنے گھر کا آپ لٹیرا ہوں ۔میں نے اپنے بھائیوں کے جسموں سے ان کی زندگیاں چھین لی ہیں ۔میں نے چار ہزار سالہ تہذیب کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی تاریخ کے زریں صفحات پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور آج میں چھپنے کے لیے جگہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ موت کے بازار میں زندگی کی بھیک مانگ رہا ہوں مگر کہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔کہیں کوئی سایہء حیات نہیں ہے کہیں کوئی آغوشِ محبت وا نہیں ہے۔''(۱۱)

رپوتاژ کے عنوان "خوش رہو اہلِ وطن" اور" ارتھ انڈیا سے ایر انڈیا میں" جلیس ایک کمیونسٹ بن کر سامنے آتے ہیں۔اس حصے میں مصنف کے حیدر آباد سے بمبئی اور پھر بمبئی سے پاکستان پہنچنے کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ابراہیم جلیس جہاز کی پرواز کے دوران ایئر ہوسٹس مِس ٹی جروس کے عشق میں گرفتار ہوجاتا ہے ۔مصنف قاری کو حیدر آباد کی بھیانک صورت حال سے نکال کر رومانوی منظر میں گم کر دیتے ہیں،جس سے وہ ساری اذیتیں بھول جاتا ہے۔رپورتاژ کا آخری حصہ دوسری اسلامی مملکت کے دروازے پر نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔اس حصے میں پاکستان کی سیاسی، سماجی،معاشرتی صورت حال،مصنف کی معاشی تنگدستی اور پاکستان کے ادیبوں کی ناقدری کا ذکر ہے۔ پاکستان پہنچنے کے بعد ابراہیم جلیس تنگدستی کی زندگی گزارتے رہے ۔پاکستانی سرمایہ داروں کی عیاشیاں دیکھ کر ان کا قلم زہر میں بجھ جاتا ہے :

''رقص زرگری شباب پر ہے ۔جام کھنک رہے ہیں۔جاگیرداری اور سرمایہ داری میٹرو پاکستان کے فرش پر آغوش در آغوش نشے میں دھت کیبرے ناچ رہی ہے۔۔۔۔سب فراڈ ہے ،دیکھو ،دیکھو!سات کروڑ انسانوں کا خون ان کھنکے جاموں

میں بھرا جا رہا ہے ۔چند انسانوں کے لیے اتنی وسیع زندگی کو یہاں سمیٹ لیا گیا ہے
اور باہر ہزاروں انسانوں پر اندھیرے اور موت کو دھکیل دیا گیا ہے۔''(۱۲)

ابراہیم جلیس کے فن کے پس پردہ انسانوں کے دکھوں اور غموں کا ذکر عام ملتا ہے ۔رپور تاژ کے عنوان "ایک جلوس " میں محنت کش انسانوں اور چھوٹے درجے کے ملازمین کے احتجاج کے بارے بتایا گیا ہے۔ یہ سب لوگ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف جلوس نکالتے ہیں۔ بالآخر ان کی کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں اور جلوس منتشر ہوجاتا ہے۔مصنف پاکستان آکر بیوی بچوں کے لئے پرمٹ حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔اس رپورتاژ میں دل شکن واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔تقسیمِ ہند کے بعد ہندوستان ، پاکستان اور حیدر آباد میں ہونے والے فسادات میں غریب لوگ بھی متاثر ہوئے ۔

رپورتاژ کے عنوان " سکینہ زوجہ " میں ایک کردار علی محمد کی داستان بھی بیان کی گئی ہے۔ فسادات کے دوران علی محمد اپنی بیوی سکینہ اور بچے سے بچھڑ گیا۔ سرحدوں کے دونوں طرف ظلم کی کہانی ایک جیسی تھی۔
ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

''دہلی اور لاہور کے بیچوں بیچ ساری زمین موت بنی پھیلی ہوئی تھی جس پر" پاکستان سپیشل ٹرین "زندگی کی ایک باریک منحنی سی لکیر بنی رینگ رہی تھی ۔چار دن مسلسل رینگتے رہنے کے بعد زندگی کی یہ پتلی سی منحنی موج جیسے زندگی کے سمندر میں جا ملی __ اسی لیے لاہور پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی علی محمد نے بھی اچانک سکینہ اور بچے کو بھول کر ایک زوردار نعرہ لگا ہی دیا__ پاکستان زندہ باد__ یعنی علی محمد زندہ باد ۔بات یہی تھی ۔مفہوم یہی تھا ۔جیسے زندگی کا انسان سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ بلکہ مقام سے تھا۔ جگہ سے تھا۔علی محمد کی زندگی لاہور سے شروع ہوتی ہے تو نرنیدر سنگھ کے لیے زندگی کا آغاز امرتسر سے ہوتا ہے اور لاہور اور امرتسر کے درمیان ریل گاڑیاں گویا لاشیں اٹھائے ادھر سے ادھر دوڑتی پھرتی ہیں ۔لاہور پہنچتی ہیں تو لاشیں زندہ ہوتی ہیں اور پاکستان بن جاتا ہے ۔امرتسر پہنچتی ہیں تو لاشیں پھر زندہ ہوجاتی ہیں اور ہندوستان وجود میں آتا ہے۔''(۱۳)

اس رپورتاژ میں جذباتی اسلوب اپنایا گیا ہے ۔اسلوب کا تیکھا پن جلیس کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے۔ جلیس ایک حساس ادیب ہیں۔ انھوں نے جذبوں اور کیفیتوں کی ترجمانی کی ہے ۔جلیس نے اس رپورتاژ میں خیال آرائی سے کم سے کم کام لیا ہے اور اپنے آنسوؤں کو لفظوں کا روپ دیا ہے۔
ابراہیم جلیس لکھتے ہیں:

''"ہندوستان اور پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہندوستان اور پاکستان سے انسانیت کا جنازہ اٹھ چکا ہے اور تاریخ کے اندھیرے ادوار کے آدم خور حیوان جو انسان کی پیدائش سے ڈر کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے تھے۔ اب پھر برسوں کے بعد باہر نکل آئے ہیں اور انسانی لاشوں کی دعوت اڑا رہے ہیں۔''(۱۴)

یہ رپورتاژ ابراہیم جلیس کے دکھی دل کی آواز ہے۔مصنف نے اس رپورتاژ میں انسان کی انسان کے ہاتھوں بربادی کی داستان رقم کی ہے۔

اے حمید اس رپورتاژ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''اس رپورتاژ میں ہندوستان کی سب سے بڑی مسلم ریاست کے ڈوبتے دل کی آخری دھڑکنیں تھیں۔'' (۱۵)

دو ملک ایک کہانی کے بارے میں شمیم احمد لکھتے ہیں:

''ابراہیم جلیس نے ایک بڑا حسین اور موثر رپورتاژ دو ملک ایک کہانی لکھا۔ اس میں جلیس نے قدم قدم پر طنز کے تیرونشتر چلائے ہیں۔ ان کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر تلخی اور ترشی بھری ہوئی ہے۔ موضوع اور فن کے تنوع اور ہمہ گیری کے اعتبار سے یہ ایک بے مثل ادب پارہ ہے اور بجا طور پر دو ملک ایک کہانی کو صنف رپورتاژ کے ارتقاء کے سلسلے میں ایک اعلیٰ معیار اور نمونے کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔''(۱۶)

دو ملک ایک کہانی فسادات کے موضوع پر لکھا گیا ایک یادگار رپورتاژ ہے۔ مصنف نے حقائق بیان کرتے ہوئے مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ اس رپورتاژ میں شروع سے آخر تک واقعات کا تسلسل موجود ہے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر **دو ملک ایک کہانی** ایک شاندار رپورتاژ ہے۔

---

حوالہ جات:

(1) Literary companion dictionary by david gramps,1984,words about words, page 313.

(۲) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء، ص ۶۱۰

(۳) ابراہیم جلیس، دو ملک ایک کہانی، لاہور: نیا ادارہ، س ن، ص ۱۱، ۱۲

(۴) ایضاً ، ص ۲۸

(۵) ایضاً ، ص ۳۹،۴۰

(۶) ایضاً ، ص ۴۰

(۷) ایضاً ، ص ۵۶

(۸) ایضاً ، ص ۶۴

(۹) ایضاً ، ص ۹۱

(۱۰) ایضاً ، ص ۱۰۹،۱۱۰

(۱۱) ایضاً ، ص ۱۱۴،۱۱۵

(۱۲) ایضاً ، ص ۱۶۳

(۱۳) ایضاً ، ص ۱۹۵،۱۹۶

(۱۴) ایضاً ، ص ۲۷

(۱۵) اے حمید، **سنگ دوست**، ص ۳۳

(۱۶) شمیم احمد، ''اردو میں رپورتاژ کا ارتقا اور مستقبل''، مشمولہ صبا، ص ۲۰

◁▷